

مہوش افتخار

کامرس کی کتاب

اٹھائیسویں قسط

تیرے لیے، بنو میری تیرے لیے
 حنا گوندھ لائی ہیں پریاں
 ماتھے پہ تیرے چمکے تاروں کی لڑیاں
 تیرے لیے، بنو میری تیرے لیے

پھولوں کی مہکتی خوب صورت شام اپنی تمام تر رعنائی لیے خلیل غوری کے آئینہ میں اتری ہوئی تھی۔ نہ کوئی بھیڑ بھی اور نہ ہی کوئی پر تکلف قسم کی محفل۔ بس ایک چھوٹی اور سادہ سی گھریلو تقریب تھی جس میں ہادی اور ایلیا کو ایک دوسرے سے منسوب کرنے کا اہتمام کیا گیا تھا۔ سب ہی قریبی رشتے دار موجود تھے۔ ایسے میں جب کلیوں کی نازک اور پریوں کی چھب رکھے والی ایلیا کو، دلہن پانے کے ہٹے پھلکے رنگوں سے سجا کر، ہادی کے پہلو میں لاکر بٹھایا گیا تو ہادی کا چہرہ اندرونی خوشی سے جگمگا اٹھا تھا۔ بچہ ہیں جھکائے بیٹھی ایلیا کے لیوں پر بھی بڑی دل فریب اور چھپکی چھپکی مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔ قسمت اتنی آسانی سے ان دونوں پر مہربان ہو گئی تھی انہیں یقین نہیں آ





رہا تھا۔ بلکہ ایک وہی کیا، وہاں موجود ہر شخص ہی حالات کی اس نئی کروٹ پر حیران تھا۔
میمونہ کے گھر والوں سے لے کر زینب کے میکے والوں تک سب ہی نے اپنے اپنے طور پر اس فیصلے پر اعتراض کیا تھا۔ خود میمونہ اور بسینہ بھی پہلے پہل اس رشتے پر آمادہ نہ تھے۔ ان کے لیے اپنی اگلوئی جی کو گردیزی ہاؤس میں بیٹھنے کا خیال ہی خاصا پریشان کن تھا۔ لیکن جب اس معاملے میں حاتم صاحب نے خود انہیں سلی دی تب کہیں وہ جا کر مطمئن ہوئے تھے۔ ان کے لیے حاتم گردیزی کی ذات اور ان کی بات ہمیشہ ہی بے حد معتبر رہی تھی۔ حلیل غوری کے گزر جانے کے بعد جس طرح سے انہوں نے میمونہ اور ان کے دونوں بچوں کی سرپرستی کی ذمہ داری سنبھالی تھی وہ قابل تحسین تھا۔

زینب کے لیے اس رشتے کو دلی سے قبول کرنا اب بھی بے حد مشکل تھا۔ آقا جان کے سمجھانے کے بعد انہوں نے بیٹے کی پسند کے آگے خاموشی ضرور اختیار کر لی تھی مگر اس رشتے پر ان کی دلی آگاہی اور رضامندی نہ ہونے کے برابر تھی۔ جیسا کہ ساتھ ہی ان کا وہ کچھ ایسی ہی نرم گیر صورت حال لیے ہوئے تھا۔ ان دونوں کے درمیان موجود تناؤ میں کمی ضرور آئی تھی لیکن گریز کی دیوار تا حال قائم تھی۔ ان کی ذات کا جو ڈر اور خوف بچپن سے جیا کے دلی میں بیٹھا ہوا تھا اس سے پیچھا چھڑانا اس کے لیے اتنا آسان نہ تھا۔ لیکن اس ہچکچاہٹ کے باوجود وہ پچھلے چند دنوں میں ان کے کئی چھوٹے چھوٹے کام اپنے ذمے لے چکی تھی اور اس کے لیے بھی بہت تھاکہ زینب نے اسے ٹوکا نہ تھا۔ اس کی ان کوششوں کو سب ہی دیکھ رہے تھے۔ شاہ خدوم کو اپنے فیصلے پر اب دلی اطمینان محسوس ہونے لگا تھا۔ تاگزیر حالات میں ہی کبھی لیکن انہوں نے اپنے لاڈلے کے لیے بہتر لڑکی کا انتخاب کیا تھا جو رشتوں کی اہمیت اور ان کی قدر کرتا جانتی تھی۔ جو گھر کو جوڑنے اور اپنے بڑوں کی عزت کرنے والی تھی اور نئی زمانہ یہ دونوں ہی خوبیاں لڑکیوں میں تقریباً ناپید ہو چکی تھیں۔

حاتم اور بھان صاحب نے بھی حیا کو اپنے اپنے طور پر سراہا تھا۔ بانی ہادی اور خولہ تو ویسے ہی اس کی سلبی ہوئی فطرت کے متصرف تھے۔ بس اک جرات تھا جو دن بدن اپنے خول میں سمٹتا جا رہا تھا۔ اسے جیسے چپ سی لگ گئی تھی۔ اس نے حیا پر طرے کے تیر چلانا، سختی کرنا حتیٰ کہ اپنا حق جتنا ابھی چھوڑ دیا تھا۔ وہ واضح طور پر اس سے گریز کرتا تھا۔ اور اس کے گریز نے حیا کو بڑی طرح الجھا دیا تھا۔ وہ لاشعوری طور پر یہی کبھی لیکن اس بات کی منتظر تھی کہ حالات کی یہ مثبت تبدیلی کہیں تا کہیں جرات کے مزاج پر بھی ضرور اثر انداز ہوگی۔ لیکن اس کے رد عمل نے حیا کو حیران کر دیا تھا۔ وہ اس کی سوچ سے بڑھ کر غور نگاہ تھا اتنا کہ کبھی کبھی اس کا دل چاہتا تھا کہ وہ اس کا گریبان پکڑ کر اسے جھنجھوڑالے۔ اس سے پوچھنے کا آیا وہ انسان بھی ہے یا نہیں؟ اسے رہ رہ کر ہادی پر بھی غصہ آ رہا تھا جو نجانے اپنے بھائی میں کون سی تبدیلی دیکھ رہا تھا؟ اسے تو یہاں دور تک ایسے کوئی آثار رونما ہوتے دکھائی نہیں دے رہے تھے۔

"حیا۔" وہ ہاتھ میں پکڑی مٹھائی کی پلیٹ نمیل پے رکھ رہی تھی جب میمونہ کی آواز پہ اس نے پلٹ کر انہیں دیکھا۔

"جی مامی۔"

"بیٹا! میری الماری میں ساٹنے ہی میرا کالا پرس رکھا ہے، وہ لے آؤ۔"

ان کی بات پہ وہ اثبات میں سر ہلاتی اندر کی جانب بڑھ گئی۔ چونکہ فٹکشن کا ارتنجت باہر لان میں تھا اس لیے اندر کا سارا پور سن اس وقت تقریباً خالی پڑا تھا۔ وہ تیز قدموں سے لاؤنج میں چلی آئی۔ اس کا رخ میمونہ کے کمرے کی طرف تھا۔ وہ اپنے دھیان میں تھی جب لاؤنج میں کسی کی موجودگی کے احساس نے اسے چونکا دیا۔ اس نے بے اختیار رخ موڑ کر اپنے دائیں طرف دیکھا۔ جرات اس کی جانب پشت کیے کھڑکی میں کھڑا کسی سے

فون پر بات کر رہا تھا۔ اس کے قدم اپنے آپ سے پڑ گئے۔ نظریں ناچا رہے ہوئے بھی اس کے اونچے لمبے سر اے سے جا اٹھیں جو کاشن کے سفید کڑکڑاتے شلوار سوٹ میں کچھ اور بھی ناقابلِ تخریب رہا تھا۔ وہ اپنی نگاہوں کو چھڑائی آگے بڑھنے کو مگی جب جراث کے الفاظ نے اس کے اٹھتے قدموں کو روک لیا۔

"اسٹاپ اٹ نا دیہ۔" بچوں کی طرح بی ہو مٹ کرو۔ مگی نے تمہیں پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ سوچ سمجھ کر فیصلہ کرو۔ تمہارے پاس اب پیچھے ہٹنے کی گنجائش نہیں ہے۔"

حیا کا دل دھک سے رہ گیا۔ یہ وہ کس لڑکی سے بات کر رہا تھا؟
"کوئی لیکن ویکن نہیں۔" وہ سختی سے بولا۔ "اپنے پیش کو راضی کرنا تمہارا کام ہے۔ کل تم ہر حال میں۔"

"انٹی جیوٹک میں بات کرنا وہ اچانک پلٹا تو جہاں حیا گزری تھی وہیں جراث بھی چوٹک گیا۔
"میں تم سے بعد میں بات کرتا ہوں۔" اس پر نظریں جمائے اس نے کال کاٹ دی۔

"یہ کیا بد نظری ہے؟" اس نے ہنسنے کی گھڑی سے حیا کو دیکھا۔ اس کا غصہ حیا کے اندر سے اپنے کچرے جانے کی ساری سخت مٹا گیا۔

"کال کیوں کاٹ دی؟" اس نے بتا کسی پس و پیش کے دو بد سوال کیا تو جراث کی پیشانی شکن آلود ہو گئی۔
"اس لیے کیونکہ تم میری باتیں چھپ کر سن رہی تھیں۔"

حیا کا روم روم سلگ اٹھا۔
"ہونہ۔ اتنے اہمارت نہیں ہیں آپ جو میں آپ کی باتیں چھپ کر سنوں گی۔ اپنے بھائی کی معافی چھوڑ کر یہاں بچ چورا ہے آپ اپنے مسائل لیے کھڑے ہیں، میں نہیں۔" وہ کال دار لہجے میں بولی تو جراث کی پیشانی کے تل حرید کھرے ہو گئے۔

"میں اپنے بھائی کی معافی چھوڑوں یا اینڈ کروں اٹن آف یور بزنس۔" اس کی جانب دیکھا وہ سر دھری سے بولا۔

حیا کے سروں سے گئی اور سر پہ بھی۔ وہ بے اختیار ایک قدم آگے بڑھا آئی۔
"آپ کی موجودگی سے بھلے میرا کوئی لیٹا دیتا نہ ہو جراث صاحب لیکن انہی عزت سے ہے۔ آپ شاید بھول رہے ہیں کہ آپ اس وقت میرے میکے میں کھڑے ہیں اس لیے کچھ ہو گا کہ آپ اپنی کسی لگی کے والدین کو منانے کا کام مگر جا کر انجام دیں۔" وہ سختی کر بولی تو جراث بے اختیار چوٹک اٹھا۔

"واٹ؟" اس نے الجھ کر حیا کو دیکھا۔ وہ تو اپنی بوخار پٹی فلو سے اس کی جاب کے متعلق بات کر رہا تھا اور حیا نے کیا بھی مگی۔ اس کی غلط فہمی جراث کا سارا غصہ پہلے ہی مٹی۔ اس نے محفوظ نظروں سے حیا کو دیکھا جس کی تپتی سی گوری رنگت اناری رنگ کے چہرے میں ایک دھلکی گئی۔

"کیوں آپ کو کیا تھا کہ میں سمجھ نہیں پاؤں گی؟" اس نے خشکی نظروں سے اسے گھورتے ہوئے استہزائیہ لہجے میں سوال کیا۔

جراث نے با مشکل تمام اپنی انڈی مسکراہٹ کا گلا گھونٹا۔
"مجھے یہ سمجھ نہیں آ رہا کہ تمہیں غصہ کس بات پر آ رہا ہے؟"

وہ دیر سے دیر سے چلتا اس کے مقابل اکھڑا ہوا۔ اچانک اس نے ہاتھ بڑھا کر نرمی سے حیا کے چہرے پہ جموتی لٹ کو اپنی انگلیوں سے چھو اتوا اس کی دھڑکنوں میں ارتعاش سا بڑا ہو گیا۔
"جلن ہو رہی ہے کیا؟" اس کی جانب جھکتا وہ مخمور سے لہجے میں بولا تو حیا کی مٹیاں سختی سے بھینچ گئیں۔

"جلن..... اور اس بد نصیب سے؟" وہ دل گرفتہ سا سکرانی۔ "نہیں جراث صاحب، مجھے ترس آ رہا ہے اس

نادان اور بے وقوف لڑکی یہ جو آپ جیسے بے حس اور سنگ دل انسان سے محبت کر رہی تھی ہے۔ کیونکہ وہ شاید یہ نہیں جانتی کہ آپ کے سینے میں تو دل ہی نہیں ہے۔"

اس کی آنکھوں میں دھیمکتی وہ بے تاثر لہجے میں بولی تو جرار اپنی جگہ پر ساکت رہ گیا۔ اس کی خاموش نظریں ایک ٹک حیا کو دیکھنے چلی گئیں۔ یہاں تک کہ اسے لگا کہ وہ شاید اب کچھ نہیں کہنے والا۔ تب ہی اس کے لبوں میں دھیرے سے جھپٹ ہوئی۔

"اور اگر میں کہوں کہ میرے سینے میں بھی ایک دل ہے جو نا صرف دھڑکنا بلکہ محبت کرتا بھی جانتا ہے تو؟"

"تو میں کہوں گی کہ میں نے آپ سے بڑا جھوٹا اور منافق انسان اپنی زندگی میں نہیں دیکھا۔"

وہ بتا کر توقف کے پلٹ کر بولی تو جرار کے لب سختی سے ایک دوسرے میں پھوست ہو گئے۔ اس کی نگاہیں حیا کے چہرے پر جمی گئیں جو اس بل ہر تاثر، ہر جذبے سے عاری ایک بالکل سرد و سپاٹ سیٹھ کی مانند لگ رہا تھا۔ کوئی بھی یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ یہ اس لڑکی کا چہرہ تھا جو اپنا ہر رشتہ، ہر فرض بڑی محبت سے نبھانے کی قائل تھی۔ جو اتنی نرم خور و حساس تھی کہ اس کے لیے کسی اپنے کی تکلف برداشت کرنا ممکن ہی نہیں تھا۔

تو کیا وہ اس کے دل سے اپنے لیے ہر طرح کی تجاؤں ختم کر چکا تھا؟ اس نے خود سے سوال کیا تو اضطراب کی اک منہ زور لہر نے اسے سر تا پا اپنی پیٹ میں لے لیا۔

جرار نے بے چینی سے کچھ کہنے کے لیے لفظ تلاش کیا ہے لیکن اس کی سوچیں اور احساسات اس بری طرح آپس میں الجھ گئے تھے کہ زندگی میں پہلی بار اس کے پاس الفاظ کا جیسے کال پڑ گیا تھا۔

حیا چند لمحے کھڑی اسے خالی خالی نظروں سے دھیمکتی رہی اور پھر پلٹ کر بے نیازی سے آگے بڑھ گئی۔

جرار کا دل چاہا کہ وہ لپک کر اسے تمام لے، روک لے۔ اپنی بے مبالغہ محبت نہ جانے دے۔ مگر یہ ان باتوں کا وقت نہ تھا۔ اس لیے وہ اپنی برداشت کو آزماتا لب سمجھنے باہر چلا آیا جہاں رونق اپنے عروج پر تھی۔ وہ خود کو سنبھالتا سب کے درمیان آ بیٹھا۔ کچھ ہی دیر میں رسم کا شور اٹھا تو اسے تاجا رسارے مہر والوں کے ساتھ اٹھ کر آئے آتا پڑا۔ شاہ صاحب کی اجازت سے ہادی نے ایلیا کا ہاتھ تمام گراس کی انگلی میں اپنے نام کی انگوٹھی پہنائی تو فضا مبارک سلامت کی آوازوں سے لبریز ہو گئی۔ ہادی نے جگر جگر کرتی نظروں سے اپنے برابر میں بیٹھی ایلیا کو دیکھا جو آف وائٹ اور ریڈ کمر کے اندر گلی فرائک میں کسی دور دیس کی شہزادی لگ رہی تھی۔ اس نے مسکراتے ہوئے اپنا ہاتھ ایلیا کے سامنے کر دیا۔ اس نے جھپٹتے ہوئے جو بی ہادی کی انگلی میں انگوٹھی پہنائی اس نے شرارت سے اس کا لرزنا ہاتھ اپنے ہاتھ میں مضبوطی سے تمام لیا۔ چاروں طرف ہونک اور شور مچ گیا۔ آقا جان نے مسکراتے ہوئے اپنے نٹھ سے پوٹے کے سر پر چپت لگائی تو سب بے اختیار ہنس پڑے۔

ان زندگی سے بھر پور لمحوں میں جرار کے دل کا سونا پن کچھ اور بھی شدت اختیار کر گیا۔ اس کی بے چین نظریں حیا پر آٹھبریں جو میو نہ اور طیبہ کے برابر میں کھڑی بظاہر مسکرا رہی تھی لیکن اس کے چہرے کا پھیکا پن وہ دور سے بھی با آسانی محسوس کر سکتا تھا۔

اس کی نظروں کے اکرچاڑنے حیا کو بھی پکٹیں اٹھانے پر مجبور کر دیا۔ دونوں کی نگاہیں کمرائیں تو اک پھریری سی حیا کے جسم و جاں میں دوڑ گئی۔ کچھ تھا جرار گردیزی کی آنکھوں میں جو اس سے پہلے اس نے بھی نہ دیکھا تھا۔ اس کی مسکراہٹ سمٹ ہی تھی۔

اس کے گلیوں سے ہلتے لبوں کو بے جان ہوتا دیکھ کر جرار کے اندر پھیلی بے چینی دو چند ہو گئی۔ وہ اسے تھانے، اسے اپنا حالی دل سنانے کے لیے بے قرار ہو گیا۔ مگر نہ جانے وہ اسے یہ موقع دینے والی بھی یا نہیں؟

کے۔ سوچتے ہوئے اس نے اضطرابی کیفیت میں اپنے بالوں میں انگلیاں چلا دیں۔ ملال تھا کہ ہر گزرتے

لمحے کے ساتھ بڑھتا چلا جا رہا تھا۔ یہ وہ اپنے ساتھ کیا کر بیٹھا تھا؟

☆☆☆

اپنے کمرے میں سویا اسفند گہری نیند میں تھا جب عجیب سی آواز پر اس کی آنکھ کھل گئی۔ اس نے سرائٹاتے ہوئے مندی مندی آنکھوں سے اپنے اطراف میں دیکھا اور سلوٹی کو اپنے پہلو میں نہ پا کر وہ ایک جھٹکے سے اٹھ بیٹھا۔ ہاتھ روم کی لائٹ جل رہی تھی۔ وہ تیر کی سی تیزی سے اٹھ کر اس جانب لپکا۔ لیکن دروازہ کھولتے ہی اس کے قدم دبیز پر جم گئے۔ سلوٹی واش بیسن پر جھکی انگلیاں لے رہی تھی اور پاس ہی زمر وکھڑی اس کی پیٹھ مل رہی تھی۔ اس کے چہرے سے لگ رہا تھا کہ وہ گہری نیند سے اٹھ کر آئی تھی۔ نجانے کس وقت سلوٹی نے اسے فون کر کے بلایا تھا؟ اسفند لب سمیٹتے چہ لہے اس منظر کو دیکھتا رہا اور پھر چپ چاپ پلٹ کر کمرے میں واپس چلا آیا۔ لائٹ جلا کر وہ بیڈ پر جانے کے بجائے صوفے پر آ بیٹھا۔ زمر کی موجودگی میں اسے اپنا سلوٹی کے برابر بیڈ پر بیٹھنا کچھ عجیب سا لگ رہا تھا۔ کچھ دیر بعد زمر، سلوٹی کو تھامے کمرے میں داخل ہوئی تو وہ غیر ارادی طور پر سیدھا ہوا بیٹھا۔ آج یہ پہلا موقع تھا جب صرف وہ تینوں ایک ساتھ ایک جگہ پر موجود تھے۔ احتیاط سے سلوٹی کو بیڈ پر بٹھاتے ہوئے زمر نے اس کی کمر کے پیچھے کیے درست کیے۔

"تھوڑا سا جوس پی لے۔ دل ٹھہر جائے گا تیرا۔"

"بس آدھا گلاس۔"

اس کے کہنے پر زمر دروم فرنگ میں سے جوس نکال لائی اور گلاس میں ڈال کر اسے تھما دیا۔ اسفند خاموش سا اس ساری کارروائی کو دیکھنے چلا گیا۔ سلوٹی نے چند گھنٹ لے کر اس کا ہاتھ تھام لیا۔

"میں اب ٹھیک ہوں۔ تم جا کر سو جاؤ۔"

اس کے نرمی سے کہنے پر زمر نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ ویسے بھی اسفند اب اٹھ چکا تھا اور اس کی موجودگی میں زمر دوکانا آب ان دونوں کے درمیان اس کمرے میں نہایت قاتلو اور بے کار لگ رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں چھین سی ہونے لگی۔ اس نے جھکی پلکوں کے ساتھ سلوٹی پر مکمل برابر کیا اور پلٹ کر تیز قدموں سے باہر نکل گئی۔ اس کے کمرے سے جاتے ہی ارد گرد گہری خاموشی چھا گئی۔

سلوٹی کی نظر میں بے اختیار سامنے صوفے پر بیٹھے اسفند پر چائیں جلیوں پر مٹی بجائے گم مگم سا تھا۔

"کیا سوچ رہے ہیں؟"

اس کے سوال پر اسفند نے اک گہری سانس لی۔

"بہی کہ تم دونوں ایک دوسرے کے خاصی قریب آ گئی ہو۔"

"کیوں آپ کو اچھا نہیں لگ رہا کیا؟" سلوٹی نے چونک کر اسے دیکھا۔

"اچھا لگنے کا تو ہوتا نہیں لیکن عجیب ضرور لگ رہا ہے۔ تمہاری پریشانی کی خبر کو زمر دھیمی آواز لڑکی اتنے خوش اور اعلیٰ طرئی سے قبول کرے گی مجھے امید نہیں تھی۔"

اس کی بات پر سلوٹی دھیرے سے مسکرا دی۔

"وقت کے ساتھ انسان بدلتا ہے اور زمر نے بھی اپنے آپ کو بہت بدل لیا ہے۔ اب وہ پہلے جیسی تیز مزاج

اور جذباتی نہیں رہی۔ اس کے اندر بہت ٹھنڈا، بہت سمجھداری آ گئی ہے۔ آپ بھی اس کے ساتھ بات کر کے تو دیکھیں۔"

"میرے پاس اس کے ساتھ بات کرنے کے لیے کچھ بھی نہیں۔" وہ بے تاثر سے لہجے میں بولا تو سلوٹی نے اسے تاسف سے دیکھا۔

"پلیز اسفند، ایک غلطی تو خدا بھی معاف کر دیتا ہے۔ آپ زمر کو ایک موقع دے کر تو دیکھیں۔" وہ نرمی سے بولی۔ اسفند نے استہزائیہ انداز میں بخوس اچکا میں۔

"تمہیں پتا بھی ہے کہ تم کیا کہہ رہی ہو؟"

اس کی بات پہ سلوی کے چہرے پر انفر دیکھی چمک گئی۔

"جانتی ہوں۔ لیکن آپ کی ذات کو بانٹنے کا درد شاید اس اذیت اور شرمندگی سے کئی درجہ کم ہے جو ہر بار مجھے زمر کا سامنا کرنے پر بخوس ہوتی ہے۔ مجھے اپنا آپ اس کا مجرم لگتا ہے اسفند۔ پلیز خود کو اور مجھے اس کا گنہگار نہ بنائیں۔ میں نہیں چاہتی کہ اللہ اس کا صبر مجھ پر یا میری اولاد پر ڈال دے۔ میرے دل پر ایسے ماں باپ کی نافرمانی کا پہلے ہی بہت بوجھ ہے۔ پلیز مجھے مزید زیر بار مت کریں۔" اس کی جانب دیکھتی وہ التجائیہ لہجے میں بولی تو اسفند کے لب سختی سے ایک دوسرے میں پوسٹ ہو گئے۔

وہ نہیں جانتا تھا کہ یہ سلوی کے الفاظ کا اثر تھا یا زمر کے مزاج میں آنے والی تبدیلی کا اعجاز، مگر آج پہلی بار اسے اپنی غلطی کا احساس بہت شدت سے ہوا تھا۔ کچھ شک نہ تھا کہ وہ زمر کی جانب سے لاشعری اختیار کر کے، اسے یوں سچ محمد ارنیکا کے اپنے رب کی ناراضی مول لے رہا تھا جو اس کے لیے دنیا اور آخرت میں پکڑ کا باعث بن سکتی تھی۔ وہ ایک جیتی جاگتی انسان تھی۔ جس کے سینے میں بھی ایک امنگوں بھرا دل تھا۔ ایسے میں اگر وہ کبھی ہلک جاتی تو وہ اپنے اللہ کو کیا جواب دیتا؟ اس کے لبوں سے اک بو بھل سانس برآمد ہوئی۔

"ٹھیک ہے، میں زمر دے رجوع کرنے کے لیے تیار ہوں۔"

وہ دیر سے بولا تو سلوی کے چہرے پر خوش گواری بے یقینی چمک گئی۔ اس کے تاثرات دیکھ کر اسفند بے اختیار نگاہیں چرا گیا۔

"چلو اب سو جاؤ۔ تمہاری طبیعت پہلے ہی ٹھیک نہیں ہے۔" وہ اٹھ کر لائٹ آف کرتا اپنی جگہ پر آ لیٹا۔

نجانے کیوں لیکن وہ اس وقت خود میں سلوی سے نظریں ملانے کی ہمت نہیں کر پا رہا تھا۔

اندھیرے میں اس کی پشت پر نگاہیں جمائے بیٹھی سلوی کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ اس کا دل اس پل بڑی متضاد سی کیفیت کا شکار تھا۔ ایک طرف سینے میں اٹھتا درد تھا جو بڑھتا چلا جا رہا تھا اور دوسری طرف ضمیر پہ دھرا بوجھ تھا جو لگا ہوتا جا رہا تھا۔ وہ مخالف دانتوں تلے دبائے بے اختیار اپنی آنکھیں سختی سے میچ گئی۔ اوروں کا تو ہوتا نہیں مگر اسے تو محبت سچ میں بڑی تمہنگی پڑی تھی۔

☆☆☆

رات کے آٹھ بج رہے تھے۔ حاتم گردیزی سمیت سبحان صاحب، جرار، ہادی اور ان کی فرم کے تقریباً سب ہی سینئر میڈ ز حاتم صاحب کے آفس میں بیٹھے ایک انہم میننگ میں مصروف تھے۔ ان کی کنسرشن مہینی کو ایک بہت بڑا پراجیکٹ ملا تھا اور وہ سارے اسی جی ڈیٹیکٹو پر کام کر رہے تھے۔ ان کا کام اختتامی مراحل میں تھا جب حاتم صاحب کا فون بج اٹھا۔ اسکرین پر حیا کا نام دیکھ کر انہوں نے بے اختیار فون اٹھا لیا۔

"وعلیکم السلام۔ ہاں بیٹا کہو۔"

ان کی توجہ مٹی دیکھ کر جرار نے اپنے سامنے بڑی فائل بند کر کے اچ آرمینجر کو دی۔

"حیم صاحب، آپ یہ ساری تفصیلات کل رانا نوید کو بھیج دیجیے گا۔ پھر دیکھتے ہیں وہ کیا جواب دیتے

ہیں۔"

"ٹھیک سر۔" مینجر نے سر ہلاتے ہوئے فائل تھامی۔

"اور تو کچھ نہیں رہ گیا ناں؟" اس نے سب کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

"فی الحال تو نہیں۔"

"چلیں پھر کل ملتے ہیں ان شاء اللہ۔"

اس کے کہنے پر سب اسٹاف ممبرز الوداعی کلمات کہتے اٹھ کر کمرے سے باہر نکل گئے۔ اس دوران حاتم صاحب بھی کال سے فارغ ہو چکے تھے۔

"کس کا فون تھا؟" سبحان صاحب نے بھائی کو دیکھا۔

"جیہا۔" حیات کے نام پر جرار بے اختیار جوک اٹھا۔

"کہہ رہی تھی کہ واپسی پر اسے میونہ بھائی کی طرف سے پک کر لوں۔ بیسٹ کو اچانک ہاسٹل جانا پڑ گیا ہے اور اب وہ وہاں منتظر بیٹھی ہے۔"

تفصیل سن کر جرار کے اندر ناگواری کی اک لہر دوڑ گئی۔ اسے حیات کیوں خود کو نظر انداز کر کے حاتم صاحب کو کال کرنا ایک آنکھ نہیں بھائی تھا۔

"لیکن ہم دونوں کو تو مشاق کی طرف ڈنر پر جانا ہے۔" سبحان صاحب نے گھڑی کی طرف دیکھا۔

"ہاں یاد ہے مجھے۔ تب ہی تو سوچ رہا ہوں کہ....."

"میں چلا جاتا ہوں پاپا۔" ہادی نے چمکی آنکھوں کے ساتھ اپنی خدمات پیش کیں۔

"ہاں، تاکہ تمہیں لانے کے لیے مجھے کسی تیسرے کو بھیجنا پڑے۔" وہ طعنے پر انداز میں بولے تو سبحان گردیز بڑی تہقیر لگا کر ہنس پڑے۔ جرار بے اختیار سیدھا ہوا۔

"آپ چھوڑیں پاپا۔ میں خود جاتا ہوں۔"

وہ بے تاثر لہجے میں بولا تو تینوں کی نگاہیں اس پر آٹھریں۔ ان کی آنکھوں میں حیرت دیکھ کر وہ نظریں چرا گیا۔

"اچھا ٹھیک ہے۔" حاتم صاحب سنبھل کر بولے۔ ان کے لیے جرار کا یوں خود کو حیات کے کسی کام کے لیے پیش کرنا خاصا غیر متوقع اور حیران کن تھا۔ کچھ ایسی ہی کیفیت سبحان صاحب کی بھی تھی۔ بس اک ہادی تھا جو اولین جھٹکے کے بعد اب منہ ہی منہ میں مسکراتا شریر نظروں سے بھائی کو دیکھ رہا تھا۔

"بدلے بدلے سے میرے سر کا نظر آتے ہیں۔"

وہ گنگناہٹا تو جرار نے ایک تیز نظر اس پر ڈالی۔ حاتم اور سبحان صاحب دونوں نے اپنی مسکراہٹ چھپانے کو لب دبا لیے۔ جرار اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔

"اوکے پاپا میں چلتا ہوں۔"

"ہاں بیٹا جاؤ۔" وہ چہرے پر سنجیدگی طاری کرتے ہوئے بولے۔

"بھائی، بھائی کو واپسی پر آنکھیں کمزور دکھائے گی۔ اور کمرے سے بھی پہنچا دے گا۔ وہ بھی اپنے ہاتھوں سے۔" اس کے آگے بڑھتے ہی ہادی نے پیچھے سے ہانک لگائی تو اب کی بار حاتم اور سبحان گردیز دونوں محل کر ہنس پڑے۔

"کیوں تنگ کر رہے ہو اسے؟" سبحان صاحب نے اپنے پیچھے کو دیکھا۔

"تنگ کہاں کر رہا ہوں چاچو، کھانا ہا ہوں۔ روٹیں میں بالکل گورے ہیں۔"

"ہاں تم نے جو لی ایچ ڈی کر رکھی ہے۔"

حاتم صاحب کی مسکرائی آواز کمرے سے باہر نکلتے جرار کی سماعتوں سے ٹکرائی تو بے اختیار اک مسکراہٹ اس کے لبوں کو بھی چھوٹی۔ اس کے اندر پھیلاتا ڈاؤن آپ تم ہونے لگا اور قدموں میں تیزی در آئی۔

تیل کی آواز پہ کچن میں سلاوا کتنی حیا کا ہاتھ بے اختیار رک گیا۔

"میرے خیال میں پایا آگئے ہیں۔"

وہ چھری رکھ کر تیزی سے باہر کی جانب لپکی۔ ایلیا بھی دو بٹا درست کرتی اس کے پیچھے آئی کہ اب تو وہ اس کے بھی سر سے۔ لاؤنج پارک کے جوہی حیا نے کچن میں قدم رکھا کچن من کرنی پھواری نے اس کا استقبال کیا۔ آج صبح سے ہی بادل چھائے ہوئے تھے وہ دروازہ کھول دیا۔ لیکن آنے والے پر نگاہ پڑنے ہی وہ اپنی جگہ پر ٹھک کر رک گئی۔ سامنے ہی بلیک سوئچ میں ملبوس جرار گردیزی اپنی تمام تر وجاہت کے ساتھ اسے حیران کرنے کو کھڑا تھا۔ تب تک پیچھے آئی ایلیا بھی گیٹ تک آ پہنچی تھی۔ جرار کو دیکھ کر اسے بھی حیرت کا شدید جھٹکا لگا لیکن اس نے سرعت سے خود کو سنبھال لیا۔

"السلام علیکم جرار بھائی۔"

وہ خیر مقدمی مسکراہٹ لیے آگے بڑھی تو جرار کی نظریں حیا کے بھونچکے چہرے سے ہوتی ایلیا پر آٹھریں۔
 "علیکم السلام۔" اس نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"کیسے ہیں آپ؟"

"میں ٹھیک ہوں۔ تم سناؤ؟" وہ قدم بڑھا کر اندر چلا آیا۔

حیا کو ہارٹ ایک ہوتے ہوتے پچھا۔ اس کا اس صبح میں آتا ہی کسی انہونی سے کم نہ تھا کچا کہ یہاں بسنے والے اپنے ازلی دشمنوں سے اخلاق نباہتا! اس نے ایلیا کے ساتھ آگے بڑھتے جرار کی پشت کو یوں گھورا جیسے اس کے سر پہ بیگ نکل آئے ہوں۔ وہ دروازہ بند کرتی ان دونوں کے پیچھے چل پڑی۔ لاؤنج میں داخل ہوئی تو میز پر بھی اسے کمرے سے باہر نکل آئی تھیں۔ انہیں محبت سے جرار کا استقبال کرتا دیکھ کر اس کی جان جل گئی۔ وہ پھر پختی کچن میں چلی آئی اور اپنا سارا غصہ گارجرمولیوں پر نکالنے لگی۔ پانچ منٹ بعد ایلیا تم پشتم کچن میں بھاگی چلی آئی۔

"حیا، منافق فریئر میں سے کہاں نکالو۔ امی نے کہا ہے کہ جرار بھائی ہمارے ساتھ کھانا کھائیں گے۔"

اس کی بات پر حیا کے چہروں سے لگی اور سر پر بھی۔

"کوئی ضرورت نہیں۔" وہ تھک کر بولی۔

"کیوں ضرورت نہیں؟" ایلیا نے حیرت سے اسے دیکھا۔ "انہوں نے امی کو بتایا ہے کہ وہ سیدھا آفس

سے آئے ہیں۔"

"ہاں تو؟" وہ بچوں کی سی ہٹ دھرمی سے بولی۔

ایلیا اسے گھوری خود ہی فرخ کی جانب بڑھتی۔

"فضول باتیں مت کرو۔ جب حاتم اٹکل کے لیے اہتمام ہو سکتا ہے تو ان کے لیے کیوں نہیں؟"

"اس لیے کہ حاتم اٹکل ہمیں اپنا دشمن نہیں سمجھتے۔" وہ استہزاء میں انداز میں بولی۔ ایلیا بے اختیار مسکرا دی۔

"ہاں لیکن آج تو ان کے سر بھی خاصے بدلے ہوئے لگ رہے ہیں۔ کافی اخلاق سے پیش آرہے ہیں

محترم۔"

"ہونہ! بڈ ڈرامے ہیں۔" حیا نے بد مزگی سے سر جھٹکا۔

"چلو ڈرامہ ہی سہی۔ لیکن ہمیں نہ کہیں کچھ تو بدلا ہے، ورنہ آج سے پہلے تو انہیں کبھی ڈرامہ کرنے کی

ضرورت پیش نہیں آئی۔ "وہ شوخی سے بولی تو حیانے تپ کر کر مر ہاتھ رکھا۔
 "جانتا نہیں کون سی تبدیلی نظر آرہی ہے مجھیں اور تمہارے اس سکے کو؟ مجھے تو ایسا کچھ دکھائی نہیں دے رہا۔"
 "کس کی بات کر رہی ہو؟" ایلیا ہاتھ میں کباب لیے پلٹی۔
 "محترم ہادی گردیزی کی اور کس کی؟"
 "اوگاؤ کتنے ملتے جلتے خیالات ہیں ہمارے۔" ایلیا کی باجھیں کھل اٹھیں۔
 حیا کے لہو پہ اک طہر یہ مسکراہٹ آٹھمیری۔
 "خیالات ملتے ہیں تب ہی تو تم جیسے نمونوں نے ایک دوسرے کو پسند کیا ہے۔"
 "یہ جلتے کی بو کہاں سے آرہی ہے یار؟" ایلیا نے اچانک اس کے قریب جھکے ہوئے سونگھنے کی ایکٹنگ کی

حیانے دانت پیٹتے ہوئے اسے ایک ہاتھ جڑ دیا۔ وہ کھٹکھٹا کر ہنس پڑی۔ تب ہی میمونہ کچن میں داخل ہوئیں۔

"یہ تم دونوں کن کھیل تماشوں میں لگی ہوئی ہو؟ کھانا لگانے والی بات کرو بیٹا۔" وہ فہمائی انداز میں بولیں
 تو ناچار حیا کو ایلیا کا ہاتھ بیٹا ناچار جو مزید وقت ضائع کیے بنا خاصی مستعدی سے کام میں مصروف ہو گئی۔
 کھانا خایے خوش گوار ماحول میں کھایا گیا تھا۔ جرار نے نام صرف ہر چیز چھٹی مگی بلکہ ایلیا کی کوکنگ کی بھی
 بہت تعریف کی تھی۔ اس کی یہ مسکراہٹ، یہ رواداری حیا کو ہارٹ ایک کروانے کے لیے کافی تھی۔ اسے جرار
 گردیزی کا یہ روپ کسی طور سے سمجھ نہیں ہو رہا تھا۔ کھانے کے بعد سبز چائے کا دور چلا تھا جس کے بعد وہ جانے کے
 لیے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔
 "چھا آئی، اجازت دیں۔"

"ہاں بیٹا، خیر سے جاؤ۔ مگر میں سب کو سلام کہتا۔" میمونہ نے اس کا شانہ چھتہ جاتے ہوئے حیا کو پکار کیا۔
 وہ اسے ساتھ لیے گاڑی میں آ بیٹھا۔ دونوں ایلیا اور میمونہ انہیں دروازے تک چھوڑنے آئی تھیں۔
 گاڑی کے آگے بڑھتے ہی حیا کا مبر جواب دے گیا۔ وہ ممکن آلود پیشانی لیے جرار کی جانب پلٹی۔
 "اس ڈرامے کا مقصد پوچھ سکتی ہوں؟" وہ کھر درے لہجے میں بولی۔
 "تمیز سے بات کرو۔ اور میں نے کوئی ڈرامہ نہیں کیا۔ صرف خود سے جڑے رشتوں کو اچھے طریقے سے
 بنانے کی ایک کوشش کی ہے۔"

"واہ! بہت خوب۔" تو آخر کار آپ کو احساس ہو ہی گیا کہ آپ سے بندھے لوگ کوئی بے جان چیز نہیں بلکہ
 جیتے جاتے انسان ہیں جنہیں آپ کی عزت اور توجہ کی ضرورت ہے۔ "وہ جی سے مسکرائی تو جرار ایک ہل کو
 خاموش ہو گیا۔

"میں تمہاری فیملی کو سمجھ سکتا ہوں حیا لیکن۔۔۔"
 "بھئی تو رونا ہے کہ آپ تو کیا کوئی بھی میری فیملی کو نہیں سمجھ سکتا۔۔۔۔۔۔" وہ اس کی بات کا نٹے ہوئے غصے سے
 بولی۔ "آپ کی نفرت، آپ کا غصہ، آپ کی دی ہوئی ذلت اور آپ کے چلائے ہوئے نشتر ایک دودن کی بات
 نہیں جرار صاحب، یہ سالوں پر محیط ایک ایسا کانٹوں بھرا سفر ہے جس نے صرف میرے ہیروں کو ہی نہیں بلکہ
 میری روج تک کو بولہ بان کر دیا ہے۔ میرے پاس آپ کی ذات سے وابستہ کوئی اچھی یاد، کوئی اچھی بات نہیں،
 ہاں درد سے بھرے لمحے بے شمار ہیں۔ ایسے میں اب اگر آپ کو اپنے رشتوں کو اچھے طریقے سے بنانے کی سوجھی
 ہے تو یقین جانیں مجھے رتی برابر فرق نہیں پڑتا۔ آپ بس پلیز مجھے اس صف میں شامل کرنے کی کوشش مت

واشکاف الفاظ میں کہتی وہ ایک جھٹکے سے اپنا رخ موڑ گئی تو جہر اکرونگا جیسے اس کے ارد گرد زندگی خاموش ہو گئی ہو۔ چند جھلے۔ فقط چند جھلے اور جانے اس کے اخلاق و کردار کا پورا خلاصہ بتا کر اس کے منہ پر دے مارا تھا۔ نہ کوئی امید رہنے دی تھی اور نہ ہی کسی خوش بختی کی کوئی گنجائش۔ اور اس کے لیے وہ کسی کھوسو وار نہیں ٹھہرا سکتا تھا سوائے اپنی ذات کے۔ اپنی شدت مزاحمتی اور اپنی تنگ دلی کے۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ یہاں سے اپنی زندگی کو لے کر کس سمت میں آگے بڑھے؟ ایسا کیا کرے جو وہ مان جائے۔

گامڑی میں چھائی ہو چھل سی خاموشی کو اچانک جہار کی دلی گرفتہ اور تادم سی آواز نے توڑا تو حیا کا پورا وجود ایک لمحے کو نکل ہو گیا۔ وہ جرار کو دیر ہی سے بہت سی باتوں کی توقع کیے بیٹھے تھی لیکن اس جیسا اکٹرا اور مغرور انسان اس سے سیدھے سادھے اور واضح الفاظ میں معافی مانگ لے گا اس بارے میں تو اس نے گمان بھی نہیں تھا۔

جرار نے گامڑی کی رفتار آہستہ کرتے ہوئے اسے سڑک کے کنارے روک دیا۔ حیا کی دھڑکن تیز ہو گئی۔ وہ لب بستہ سا دباؤ اسکرین کے پار نگاہیں جما گیا جس پر گرتے بارش کے قطروں نے محلوں میں سامنے کا منظر دھندلا دیا تھا یوں کہ منزل اور نشان منزل دونوں ہی نہیں کھو گئے تھے۔

"میں نہیں جانتا کہ روٹھے ہوؤں کو کیسے مٹایا جاتا ہے۔ میں یہ بھی نہیں جانتا کہ نوٹے ہوئے رشتوں کو کیسے جوڑا جاتا ہے۔ لیکن میں اتنا خردور جانتا ہوں کہ میں اس بلی جس کرب اور جس شرمندگی سے دوچار ہوں وہ لفظوں میں بیان نہیں کی جاسکتی۔ میں نے تمہارے ساتھ جو رویہ روارکھا اس کی اخلاقی طور پر کوئی وجہ نہیں تھی۔ اس لیے میں اپنی صفائی میں کچھ نہیں کہوں گا سوائے اس کے کہ ہو سکے تو مجھے معاف کر دو۔"

وہ دیر سے سے بولا تو حیا کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ اس کا پورا وجود جیسے کسی گرداب کی لپیٹ میں آ گیا۔ جراثیم کی آنکھوں میں آرزوئی اتر آئی۔ حیا خود کو سنبھالتی دیر سے سے اس کی جانب بٹھی۔

"اور۔ اور اگر میرے لیے یہ ممکن نہ ہوا تو؟"

اور جرات گردن کی کجی میں نہیں آیا کہ وہ اس "تو" کا کیا جواب دے۔ لیکن ایک بات طے تھی کہ وہ اپنی ذات سے حیا سکندر کو مزید دکھ دینے والا نہیں تھا۔

"تو میں تمہیں زبردستی کے اس بندھن سے آزاد کروں گا۔" اس کی آنکھوں میں دیکھا وہ مضبوط لہجے میں بولا۔

حیا چند لمحے اس کے چہرے پر پھیلی چٹائی کو دیکھے چلی گئی اور پھر دیر سے اس بات میں سر ہلاتی رخ موڑ گئی۔ ان دونوں کے درمیان ایک بار پھر گہری خاموشی چھا گئی۔

جرار کے دل میں اک ہوک سی لگی۔ اس نے دکھ سے اپنے برابر میں بیٹھی اس پیاری سی لڑکی کو دیکھا جو آج سے پہلے اسے خود سے بھی اتنی دور اور بچکانہ نہ لگی تھی۔ بے اختیار اک ہنس نکلی ہوئی سانس اس کے لبوں سے ٹوٹ کر فضا میں بکھر گئی۔ ان کے درمیان چھائی یہ خاموشی بڑی ہی جان لیوا لگی۔ جرار کو اس سے دشت سی ہونے لگی۔ اس نے بے اختیار ہاتھ بڑھا کر آؤ پو پلیٹر آن کر دیا۔

اعتبار بھی آہی جائے گا
ملوثو سہی، راستہ کوئی مل ہی جائے گا
چلو تو سہی، چلو تو سہی
اعتبار بھی آہی جائے گا، آہی جائے گا۔

مجھے سروں پہ جنید جشید کی خوبصورت آواز ماحول پہ اپنا جادو بکھیرنے لگی تو جرار کا سارا دھیان اس جانب مبذول ہو گیا۔ یوں لگ رہا تھا جیسے کسی نے اس کے دل کی آواز کو لفظوں کا روپ دے ڈالا ہو۔ اس کا تن من سلگنے لگا۔

دھوپ میں کھڑا جل رہا ہوں میں
سایہ دو مجھے

یہ میرا جنوں، یہ میری جلن
ہے میری سزا

میری یہ ممکن کہہ رہی ہے کیا
سنو تو سہی، سنو تو سہی

اعتبار بھی آئی جائے گا، آئی جائے گا۔

جیسا کہ جیسے کسی نے اس کا دل ٹپکی میں لے کر مل ڈالا ہو۔ اس کی آنکھوں میں تیرے آنسو موتیوں کی صورت برسنے لگے۔

کیا ہوا اگر زندگی ذرا الجھ ہی گئی
سوچو تو ذرا

جنگلوں میں بھی راستے تو ہیں
ہمیں بھی کوئی مل ہی جائے گا

چلو تو سہی، چلو تو سہی

پیارو یا رہی ہو ہی جائے گا
طو تو سہی

راستہ کوئی مل ہی جائے گا
چلو تو سہی، چلو تو سہی

اعتبار بھی آئی جائے گا، آئی جائے گا۔

جرار کا حوصلہ اس کا ضبط جواب دینے لگے۔ اس نے بے اختیار ہاتھ بڑھا کر حیا کی گود دھر اس کا ہاتھ تھام لیا۔ اور اگلے ہی بل بہت نرمی سے اس کی ہتھیلی پہ لب رکھ دیے۔

آئی جائے گا۔

جیسا رتا پا لرزا بھی۔ اس کی جان جیسے سٹ کر اس کی ہتھیلی میں آسانی۔ نہ کوئی زور تھا اور نہ ہی کوئی زبردستی۔ مگر پھر بھی نجانے کیوں حیا کے لیے جرار کی محبت بھری اس گرفت سے رہائی پانا ناممکن ہو گیا تھا۔ اس نے اپنی لرزتی پلکیں اٹھائیں۔ دونوں کی نگاہیں ٹکرائیں تو اک بھریری سی حیا کے جسم و جان میں دوڑ گئی۔ اس کی نظریں بے اختیار جرار کے مضبوط ہاتھ میں دبے اپنے ہاتھ پر آٹھمیں۔ وہ چند لمحے بغور اس بندھن کو دیکھتی رہی اور پھر دھیرے سے نگاہیں جھٹکائی۔

جرار گردیزی کی آنکھوں میں خوش گواری بے چینی پھیل گئی۔ حیا کا فیصلہ اس کی جھکی پلکوں اور سرخ ہوتے چہرے سے عیاں تھا۔ اس نے بے اختیار اس کا نازک سا ہاتھ کسی قیمتی متاع کی طرح اپنے سینے سے لگا لیا۔ وہ اب یہ ہاتھ اور یہ ساتھ تا عمر چھوڑنے والا نہ تھا۔

☆☆☆

یہ چند دنوں بعد کی بات ہے۔ فجر سے کچھ اوپر کا وقت تھا۔ سورج ابھی پوری طرح سے طلوع نہ ہوا تھا۔ بی نرس نماز ادا کر کے ہال میں موجود اپنے تخت پر بیٹھی تسبیح کر رہی تھیں۔ بڑے سرکار نماز سے فارغ ہو کر اپنے کمرے میں جا چکے تھے۔ ارد گرد گہری خاموشی تھی۔ ایسے میں انہیں کچن کی طرف سے کچھ گرنے کی آواز سنائی دی تو وہ بے اختیار چونک اٹھیں۔ ملازماؤں کے اندر آنے میں تو ابھی ٹھوڑی دیر تھی۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئیں اور ہال سے لمحہ راہداری عبور کر کے پیچھے موجود بڑے سے کچن میں چلی آئیں۔ زمر دو چولہے پر چائے کا پانی رکھ رہی تھی۔ ان کی پیشانی پر تل آٹھبرے۔ وہ خود تو چائے پیتی نہیں مگر پھر بھلا اس وقت وہ کس کی خدمت میں جتی ہوئی تھی؟

"یہ تو کیا کر رہی ہے؟" ان کی ناگواری میں ڈوبی آواز اچانک کچن کی خاموش فضا میں ابھری تو اپنے دھیان میں کام کرتی زمر دہری طرح ڈر گئی۔

"اف پھپھو! آپ نے تو میری جان نکال دی۔" وہ سینے پر ہاتھ رکھے بولی۔ بی بی نرس کا دل کیا کہ اس بے وقوف لڑکی کا سر تو زدیں۔ وہ غصے سے آگے بڑھیں۔

"نہ تو مجھے یہ بتا کہ تو یوں منہ بہ منہ (اندھیرے) کس کی غلامی میں کھڑی ہے یہاں؟"

"وہ۔ وہ میں....." وہ جھجک کر لب بیاگئی تو بی بی نے غصے سے اس کی ہچکچاہٹ کو دیکھا۔

"وہ میں بہادر کے لیے چائے بنا رہی تھی۔" وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ بی بی نرس کی پیشانی کے تل گہرے ہو گئے۔

"نہ تو کیوں اس نواب زادے کے لیے چائے بنا رہی تھی؟ کہتا تھا ناں کہ جا کر اپنی اس لاڈلی کو اٹھائے۔ تو اس کی نوکر تھی یہ کیا جو....."

"پھپھو! وہ اناج میرے کمرے میں میرے ساتھ تھے۔" وہ دھیرے سے بولی تو بی بی نرس کی بات ان کے منہ میں رہ گئی۔ وہ دہسا دھسا اپنی جین کی دو کھچے چلی گئیں جولیوں پر دمبھی سی مکان کے لیے پٹلیں جھکا گئی تھیں۔

"تو کچھ کہہ رہی ہے؟" انہوں نے بے یقینی سے پوچھا۔ زمر دھیرے سے ان سے نگاہیں ملاتا مشکل ہو گیا۔ وہ شرم سے گھٹا چہرہ لیے دھیرے سے اثبات میں سر ہلا گئی تو بی بی نرس کے اندر اک مشکک سی اتر گئی۔

"یا اللہ تیرا شکر ہے۔ تیرا لکھ لکھ (لاکھ) شکر ہے میرے مولا۔" فرط جذبات سے ان کی آنکھیں بھر آئی تھیں۔ انہوں نے بے اختیار جھک کر اس کی چاندی پیشانی پر مٹی۔

"تو خوش تو ہے ناں؟" انہوں نے محبت سے اس کی ٹھوڑی چھوئی۔

"بہت، بہت زیادہ۔" زمر دھیرے سے ایک ہلکی جھنجھکی سے اپنی آنکھیں بند کیں۔ "یوں لگ رہا جیسے میں کوئی خواب دیکھ رہی ہوں۔ آپ کو پتا ہے۔" وہ اپنی آنکھیں کھولتے ہوئے بچوں کی سی سادگی سے مسکرائی۔ "وہ بہت بدل گئے ہیں۔ وہ مجھ سے اتنی نرمی سے پیش آ رہے ہیں کہ مجھے یقین نہیں آ رہا کہ یہ وہی بہادر ہیں جو میری شکل تک نہیں دیکھنا چاہتے تھے۔"

بی بی نرس بے اختیار مسکرا دیں۔

"تو بھی تو بہت بدل گئی ہے۔ اس کے لیے آپ جناب سے بات کرنے لگی ہے۔ اس کی عزت کرنے لگی ہے۔"

ان کی بات پر زمر کی مسکراہٹ گہری ہو گئی۔

"میں نے یہ سب سلوی سے سیکھا ہے پھپھو۔ وہ ج میں بہت، بہت اچھی ہے۔" وہ دل کی گہرائی سے بولی۔ بی بی کی مسکراہٹ سست سی گئی۔

"آپ کو نہیں پتا لیکن ارج جو بہادر میری طرف لوٹے ہیں تو ایسا صرف سلوئی کی وجہ سے ہوا ہے۔ اس کے مسلسل سمجھانے پر انہیں اپنی غلطی کا احساس ہوا ہے۔ ورنہ میں نے تو کب کی امید چھوڑ دی تھی۔" بات کرتے کرتے اس کے چہرے پر رنجیدگی چھا گئی۔ بی بی نے بغور اسے دیکھا۔

"مجھے کیا لگتا ہے کہ تو نے جو راہ اختیار کی ہے وہ ٹھیک ہے؟"

"اگر ٹھیک نہ ہوتی پھپھو، تو ان میرے سر کا سائیں مجھے واپس نہ ملتا۔" وہ بتا کسی پس و پیش کے بولی۔

بی بی نے زکس بے اختیار خاموش ہو گئیں۔ انہیں زمر دے ایسے سمجھداری بھرے جواب کی امید نہ تھی۔ کچھ شک نہ تھا کہ بڑھی لکھی سلوئی کی سبھی ہوئی محبت نے اسے اندر تک بدل ڈالا تھا۔ ان کے دل میں پہلی بار زمر کی جانب سے اطمینان پھیلنے لگا۔ جس کا سہرا صرف اور صرف سلوئی کے سر جاتا تھا ورنہ ماضی میں تو اسے بدلنے کی ان کی ہر کوشش ناکام رہی تھی۔

زمر نے انہیں سوچوں میں گھرا دیکر کرنزی سے ان کا ہاتھ تمام لیا۔

"پھپھو! آپ میری خاطر سلوئی کی طرف سے اپنا دل صاف کر لیں۔ یہ دیکھیں کہ وہ اپنے رشتوں کے ساتھ کتنی سچی، کتنی گہری ہے۔ اس نے تب مجھے نہ لگایا، مجھے اہمیت دی جب میرا پنا شوہر مجھے پوچھنے کے لیے تیار نہ تھا۔ اس کی جگہ اگر کوئی ہو کر کڑی ہوتی تو شکر کا کلمہ پڑتی کہ اس کے مقابلے پر دو جی کوئی عورت نہ تھی۔ مگر اس نے ایسا نہیں کیا۔ اس نے نام صرف مجھے میرا شوہر لوٹایا بلکہ مجھے اپنی ہونے والی اولاد کی ماں کا مان دیا۔ مجھے اپنی خوشیوں میں شامل کیا۔ اسے یہ سب کرنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی پھپھو۔ لیکن اگر اس نے یہ ساری نیکیاں، یہ سب احسان کیے تو سوچیں کہ وہ دل کی کتنی اچھی اور نیت کی کتنی صاف ہے۔"

اس نے کھلے دل سے سلوئی کی خوبیوں اور اصلی طرزی کا اعتراف کیا تو بی بی نے زکس اک گہری سانس لے کر رہ گئیں۔ انہیں زمر کی بات سے اختلاف نہ تھا۔ سلوئی واقعی ایک اچھی اور گہرا سانس والی لڑکی تھی اور اس نے یہ چیز اپنے عمل سے ثابت کر کے دکھائی تھی۔

"اچھا ٹھیک ہے۔ اب جا کے اپنے کاوے (قبوے) کو دکھ۔ پک پک کے برباد ہو رہا ہے۔" انہوں نے جوہرے کی طرف اشارہ کیا تو زمر دھاتے پر ہاتھ مار کر تیزی سے چلی۔

"اف! میں تو بھول ہی گئی تھی۔" اس کی دہائی پر بی بی بے اختیار مسکرا دیں۔

"جھلی نہ ہو تو۔" وہ سر جھٹکتی کچن سے باہر نکل گئیں۔ آج ایک عرصے کے بعد ان کا دل و دماغ ہر فکر، ہر بوجھ سے آزاد ہوا تھا۔

☆☆☆

حیا کے ساتھ جہاز کے روپے میں آنے والی واضح تبدیلی کو سب ہی نے محسوس کیا تھا۔ یہ نہ تھا کہ وہ اس کے آگے پیچھے بھرنے لگا تھا یا وہ اس کا دم بھرنے لگی تھی۔ ہاں لیکن ان دونوں کی ایک دوسرے کی ذات سے بے گامگی ختم ہوئی تھی۔ وہ اپنے درمیان موجود رشتے کی عزت کرنے لگے تھے۔ اسے اہمیت دینے لگے تھے۔ اور جہاں عزت اور اہمیت ہو وہاں نرمی، توجہ اور لگاؤ اپنے آپ پیدا ہو جاتا ہے جو آگے چل کر دلوں میں ایک دوجے کے لیے محبت اور احترام کا باعث بنتا ہے۔

ان دونوں کے رشتے کو پھلتا پھولتا دیکھ کر سب ہی بے حد خوش تھے۔ لیکن حاتم صاحب کی خوشی دیدنی تھی۔ ان کے دل پر سے اللہ نے بہت بڑا بوجھ ہٹایا تھا ورنہ وہ تو خود کو اپنے بچوں کا مجرم سمجھنے لگے تھے۔ ان دنوں خاص کر جہاز کی سوچ میں اتنا بڑا بدلاؤ کیسے آیا تھا کوئی نہیں جانتا تھا۔ لیکن اتنا اندازہ سب ہی کو تھا کہ جہاز کی اس تبدیلی کی ایک بڑی وجہ آقا جان کی وہ نہ آخر گفتگو تھی جس نے اس روز شاید سب ہی کے دلوں پہ نہیں نہ نہیں ایسا نشان،

چھوڑا تھا۔ انہیں تا صرف ان کی غلطیوں کا احساس دلایا تھا بلکہ ان سب پر یہ حقیقت بھی روز روشن کی طرح عیاں کر دی تھی کہ خاندان کے بزرگ چاہے کتنے اصول پسند اور سخت کیوں نہ ہوں ان کی موجودگی گھروں میں ہمیشہ باعث برکت اور اتفاق ہی ہوتی ہے۔ ان کی فہم و فراست اور بردباری کی جگہ کوئی نہیں لے سکتا۔

ہادی کی رگ پر شرارت البتہ ان دونوں کو لے کر آج کل خوب پھڑک رہی تھی۔ وہ جرار کو چھیڑنے اور حیا کو جتانے کا کوئی موقع جانے نہیں دے رہا تھا۔ اس کے بقول وہ ایک بہت باریک بین اور تجربہ کار انسان تھا جس نے اپنے سڑیل بھائی کے بدلتے طور بہت پہلے ہی بھانپ کر اپنی بھولی بھالی بھائی کو آگاہ کر دیا تھا۔ لیکن چونکہ اس نادان نے اس کی بات پر یقین نہیں کیا تھا اس لیے اب وہ اپنی گستاخی کی سزا دن رات طعنوں کی صورت بھگت رہی تھی۔

ابھی بھی حیا، جرار کے لیے جوشاندے کا کپ بنا کر لائی تھی۔ اسے کل سے طوکی شکایت ہو رہی تھی۔ طبیعت خرابی کی وجہ سے وہ خاصا چڑا سا ہو رہا تھا اور آج آفس بھی نہیں گیا تھا۔ اس کے آگے پیچھے پھرتے حیا بے حال ہوئی تھی۔ اس نے کچ میں اسے کل سے کچی کا ناچ نچا ڈالا تھا۔ جوشاندہ پی کر اس نے سر دبانے کی فرمائش کی تو حیا اک گہری سانس لی اس کے سر ہانے آئینی اور اپنی نرم انگلیوں سے اس کی پسینوں کو دبانے کے بجائے دھیرے دھیرے سہلانے لگی۔ جرار کے اندر اک سکون سا چھانے لگا۔ اس نے اپنا سر تکیے سے اٹھا کر حیا کی گود میں رکھ دیا تو ایک لمبے لمبے اس کی انگلیاں ساکت ہو گئیں۔

"دباؤ ڈالیں۔ رگ کیوں گھٹیں؟" وہ شرارت سے اسے سختے ہوئے بولا۔ حیا کی نظریں اس کے وجہ چہرے پر ٹھہری گئیں۔ اس کے نعوش میں کہیں بھی گزری ہوئی کسی کچی، کسی کچی کا شائبہ نہ تھا۔ بلکہ ایک عجیب سی نرمی اور چمک بھی جو حیا کو دیکھ کر بڑھ جاتی تھی۔

"میرے خیال میں آپ کی طبیعت کچھ بہتر ہو گئی ہے۔" وہ اس کے سر سے خود کو چھڑاتی مسنجل کر بولی تو جرار دھیرے سے مسکرا دیا۔

"ان کے دیکھے سے جو آ جاتی ہے منہ پر رونقی

وہ سمجھتے ہیں کہ پیار کا حاملہ اچھا ہے"

وہ گھمبیرتا سے بولا۔ حیا کی گھنٹوں بارے حرمت کے اوپر کواٹھ گئیں۔

"آپ اور شاعری؟ خاصا حرمت آئیز انکشاف ہے۔"

"اجی آپ ہمارے بارے میں ابھی جانتی ہی کیا ہیں؟ کبھی موقع دیں پاس آنے کا پھر دیکھیں کیسے کیسے انکشاف ہوتے ہیں۔" وہ اس کے چہرے پر جھوٹی لٹ پیچھتے ہوئے معنی خیزی سے بولا تو حیا کے چہرے پر سرخی پھیل گئی۔

"بہت شکریہ۔ جتنے انکشافات ہو چکے ہیں وہی کافی ہیں۔"

وہ جل کر بولی تو جرار قہقہہ لگ کر ہنس پڑا۔ اس کی یہ زندگی سے بھرپور نمئی حیا کو لمبے بھر کے لیے مبہوت کر گئی۔ وہ شاذ و نادر مسکرانے والا شخص بھی تھا مگر کبھی ہنس سکتا تھا؟ وہ بھی اس کی باتوں پر؟ اسے یقین نہیں آ رہا تھا۔ بلکہ اسے تو اب تک اپنے اور اس کے درمیان بدلی ہوئی یہ ساری صورت حال ہی بے یقین کیے ہوئے تھی۔ زندگی نے اچانک ہی جیسے سین سوساٹھ ڈگری کا چکر کھایا تھا۔ اس کے وجود سے نفرت کرنے والا آج اسے اپنی ذات کا ٹھکانہ و مرکز بنائے بیٹھا تھا۔ بے شک یہ اس کے پیاروں کی دعاؤں کا اثر تھا جو اللہ نے جرار کے دل کو اس کی طرف سے بدلا تھا کہ ایک صرف وہی پاک ذات دلوں کو پھیرنے کی قدرت رکھتی ہے ورنہ حیا کو تو اپنی باقی ماندہ زندگی بالکل برباد نظر آ رہی تھی۔

دروازے پر دستک کی آواز نے اس کی سوچوں کا تانا بانا بکھر دیا تو اس نے سنبھل کر سیدھا ہوتا چاہا۔ جرار کے چہرے پر بد مزگی پھیل گئی۔

"کم ان۔" وہ سیدھا ہونے کو تھا کہ ہادی کی آواز سن کر اس نے قصد اپنا ارادہ ترک کر دیا۔
 "ابھیں، کیا کر رہے ہیں؟" جیانے گھبرا کر اس کا سر اپنی گود سے ہٹانا چاہا لیکن وہ ڈھیٹ بنا اپنی جگہ پر لیٹا رہا۔ تب ہی ہادی اندر چلا آیا۔

"اوہو۔ یہاں تو ٹھیک ٹھاک روٹن چل رہا ہے۔"
 اس نے سیٹی کے انداز میں لب بکھرتے ہوئے سختی خیز نظروں سے انہیں دیکھا تو حیا کا چہرہ گل رنگ ہو گیا۔ وہ بے اختیار اپنا سر تھامے رخ موڑ گئی۔

"ہاں تو کیا روٹن میں بی ایچ ڈی کی ڈگری صرف تم نے لے رکھی ہے۔" جرار نے شرارت سے ابرو اچکائے تو ہادی نے دلچسپی سے اپنے بھائی کا بدلا ہوا روپ دیکھا۔
 "اں گمان تو یہی تھا لیکن اب لگ رہا ہے کہ....."
 "نہیں۔ فوراً بھیں!"

حیا سے مزید برداشت نہ ہو سکا تو وہ اسے پوری طاقت سے دھکیلتی اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس کی غصہ اور جرار کی شامت دونوں ہی ہادی کو حرا دے گئیں۔ وہ محفوظ سا مسکرا دیا۔ جرار نے ڈرینک روم کی جانب بڑھتی حیا کو دیکھتے ہوئے پاس کھڑے بھائی کو گھویرا۔

"کتاب میں بڑی ناہوتو۔ کیا تکلیف اٹھی گی جو آپ یہاں آدھکے؟"
 "حد ہے، سنی کا تو زمانہ ہی نہیں رہا۔ ایک تو میں بڑے بھائی کی عیادت کے لیے خاص طور پہ چل کر آیا ہوں اور پھر یہ صاحب فرما رہے ہیں کہ۔۔۔"
 "ج۔ جرار"

اجانک حیا ڈرینک روم کی دیوار تھامے اپنی جگہ پر رک گئی تو دونوں بھائیوں نے ایک ساتھ ملٹ کر اس کی طرف دیکھا۔ اس کی رنگت خطرناک حد تک زرد ہو رہی تھی اور وہ سر تھامے باقاعدہ جمبول رہی تھی۔ لیکن اس پہلے کہ وہ زمین پوس ہوئی جرار ایک ہی جست میں اس تک آ پہنچا اور اس کے بے جان ہوتے وجود کو اپنی ہانہوں میں بھر لیا۔

☆☆☆

بڑے سرکاری حویلی میں آج ان کے سب بہن بھائی جمع تھے اور اس کی وجہ ان کے بہنوئی نصر گروہری کی اپنی بیوی کے ساتھ انگلینڈ سے آمد تھی۔ ماضی میں جب شاہ نجد موم کے باغات پہ ان کا اپنے تایا کے گھرانے سے تباہ ہوا تھا تب ان کے والد نے بھی ان سے قطع تعلقی کر لی تھی۔ اس واقعے کے چند سال بعد ہی وہ اپنے بھے کی زمینیں ملک دلاور کو بیچ کر اپنی فیملی سمیت انگلینڈ شفٹ ہو گئے تھے۔ اس دوران ان کا پاکستان آنا جانا لگا رہا تھا لیکن اب کی بار وہ تین سال بعد آئے تھے۔

"بھابی، ایک بات تو بتائیں۔" سب سے ملاقات اور کھانے سے فراغت کے بعد انہیں ملک دلاور کی بیٹھک میں ان کے ساتھ تہا بیٹھنے کا موقع ملا تو وہ اپنے ذہن میں کلبلا تے سوال کو زبان دینے سے خود کو روک نہ پائے۔

"بول۔" انہوں نے اپنا حقد گڑ گڑایا۔
 "یہ اپنے بہادر کی جو دوسری بیوی ہے۔ یہ کون ہے؟ کس خاندان سے تعلق رکھتی ہے؟" وہ چہرے پہ الجھن

لیے بولے تو بڑے سرکار ایک بل کو خاموش ہو گئے۔

"کیوں کیا ہوا؟" انہوں نے جاچتی نظروں سے انہیں دیکھا۔

"ہونا کیا ہے۔ لیکن وہ بچی مجھے بڑی جانی پہچانی سی لگی ہے۔ یوں لگ رہا ہے جیسے میں نے اسے پہلے بھی کہیں دیکھا ہے۔"

"دہم ہے تیرا۔" انہوں نے حقے کی نال ایک بار پھر لیوں سے لگا لی۔

"ہو سکتا ہے لیکن فیروزی پتا تو ملے۔" وہ جانے کو مصر تھے۔ ملک دلاور نے اک گہری سانس لی۔ اس سے

پہلے کہ وہ بہادر سے پوچھتے اور سلوٹی کی حقیقت کے ساتھ ساتھ ان کی گرد بڑیوں سے دشمنی کی ساری داستان بھی ان کے لاڈلے پر عیاں ہو جاتی بہتر یہی تھا کہ وہ خود ہی انہیں ساری بات بتا دیجے۔

"تیری بڑیوں (بھانجی) ہے وہ۔ منیرہ اور سحان گرد بڑی کی بیٹی۔"

"کیا؟" نصرانی جگہ سے یوں اچھلے جیسے کسی کرنٹ نے چھو لیا ہو۔

"لیکن یہ کیسے ممکن ہے؟ م۔ میرا مطلب ہے بتایا جی کیسے مان گئے؟"

"اُنہیں اونے۔ ان دونوں نے چھپ کر دیا ہ کیا ہے۔ تیرے تائے کو تو خبر ہی نہیں تھی کہ اس کی پوتری

(پوتی) نے کس منڈے (لڑکے) کے ساتھ گس (بھاگ) کر ان کا منہ کالا کیا ہے۔ وہ تو بعد میں، میں نے فون کر کے اس کہنے یہ پہاڑ توڑا تھا۔" انہوں نے انکشاف در انکشاف کیا تو نصر گرد بڑی کا سر چکر گیا۔

"تو کیا یہ لڑکی بہادر کی اصلیت کے بارے میں جانتی ہے؟"

"نہیں۔"



"اور بہادر؟"

"وہ بھی کج نہیں جانتا۔ اور اسے کج پتا لگنا وی نہیں چاہیے۔ سمجھے! وہ تنہی لہجے میں بولے لیکن اس سے

پہلے کہ نصر مزید کچھ کہتے بیٹھک کے کھلے دروازے سے بہادر اندر چلا آیا۔

"کے کیا نہیں پتا لگنا چاہیے اباجی؟" اور بڑے سرکار کو لگا جیسے ان کی ساری محنت پر پانی پھر گیا ہو۔ ان کی

رنگت ایک بل کو تنہی بڑی اور پیشانی پر پسینہ آٹھرا۔

☆☆☆

"از ایوری تھمک آل رائٹ ڈاکٹر؟" جہار نے پریشانی سے اپنے مقابل کرسی سنبھالتی لیڈی ڈاکٹر کو

دیکھا۔

گھر میں حیا کو ہوش دلوانے کے بعد وہ لمحے کا توقف کیے بغیر اور ہادی کے ہمراہ اسے بسپٹ کے ہاسپٹل

لے آیا تھا۔ جہاں اس نے حیا کے بنیادی چیک اپ کے بعد اسے وہاں موجود لیڈی ڈاکٹر کے پاس بھیج دیا تھا۔

"پریشانی۔ آپ کو مہارگ ہو۔ آپ کی منہ پر ٹینٹ ہیں۔" ڈاکٹر نے مسکراتے ہوئے اسے مطلع کیا تو

جہار ایک بل کو اپنی پلیٹس جھپک بھول گیا۔

"واٹ؟" اس کے چہرے پر خوش گوار سی بے چینی در آئی۔ تب ہی حیا، طبیب کے سہارے چلتی ہوئی

ایکوائمنیشن روم سے باہر آئی۔ دونوں کی نگاہیں غرامیں تو حیا کے عارض رنگین ہو گئے۔ وہ لیوں پہ شرمیلی سی

مکان لیے پلیٹس جھکا کی اور جہار کو لگا جیسے اسے رب تعالیٰ نے آج دونوں جہانوں کی نعمتوں سے نوازا دیا ہو۔

(بانی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

☆☆☆